قرآن مجید کیا ہے؟

(آخری قسط) حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ

اوّل سے قرآن مجید کس طرح اتارا؟

یہ نزولِ قرآن مجید کا پہلا مرحلہ ہے، یعنی لوحِ محفوظ سے پورے کے پورے قرآن مجید کا نزول سماءِ دنیا پر، جس کی تصریح قطعی طور پر مذکورہ آیات میں موجود ہے۔ سماءِ دنیا سے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرآن مجید کا نزول ''جملةً واحدةً'' - پوری کتاب کی صورت میں ایک ہی دفعہ- ہو، یا ''نَجماًنَجماً'' -تھوڑا تھوڑا- قرآن مجید اس کا جواب بھی دیتا ہے اور اس کی حکمت ومصلحت بھی بیان کرتا ہے۔

کفار کے مطالبے

''وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلاَ أُنْزِلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً''. (الفرقان:۳۲)

ترجمہ:......''اور کافروں نے کہا کیوں نہیں اتارا گیا اس پر قرآن سارا کا سارا ایک دفعہ؟''۔

(اس) کے جواب میں ارشاد ہے:

''وَكَذٰلِكَ، لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيْلاً وَلاَيَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ إِلاَّ جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيْرًا''۔ (الفرقان:۳۲)

ترجمہ:......''اور وہاں اسی طرح اتارا ہے، تاکہ اس سے ہم تیرے دل کو مضبوط رکھیں، (وقتاً فوقتاً) آیات قرآن کے نزول سے تقویت قلب ہوتی رہے اور تھوڑا تھوڑا پڑھ کر سنایا ہے (تاکہ تو گھبرا نہ جائے کہ اتنی بڑی کتاب کو کیسے ازبر یاد رکھوں؟) اور (بڑا فائدہ یہ ہے کہ) وہ کفار تمہارے پاس انوکھی بات لائیں، ہم (اس کے جواب میں) حق بات اور (اس کی) بہتر تفسیر پہنچا دیں''۔

یہ فائدہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی سے متعلق ہے اور بے حد اہم ہے۔ باقی عام امت (صحابہؓ) کے لئے بھی یہی بہتر تھا کہ قرآن تھوڑا تھوڑا اتارا جائے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے:

''وَقُرْآناً فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيْلاً''۔(بنی اسرائیل:۱۰۶)

ترجمہ:.....''اور قرآن کو ہم نے جدا جدا (کر کے نازل) کیا، تاکہ تم اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو (اور وہ تھوڑا تھوڑا یاد کرتے رہیں) اور ہم نے اس قرآن کو اتارتے اتارتے اتارا ہے''۔

اگر قرآن مجید یکدم پورا کا پورا کتابی شکل میں نازل کر دیا جاتا تو نہ صرف یہ کہ ایک ایسی قوم کے لئے جو ایمان لانے سے پہلے لکھنے پڑھنے سے نا آشنا اور اُمی ہے اور پابندیٔ احکام اس کی افتادِ طبع کے خلاف ہے، اس پوری کی پوری ضخیم کتاب کو یاد کرنا دشوار تھا، بلکہ ان گونا گوں اور انسانی زندگی پر محیط احکام واعمال پر عمل کرنا اس سے بدرجہا زیادہ دشوار اور ناقابل عمل تھا۔ اللہ جل شانہٗ روزِ ازل سے اس حقیقت کو جانتے تھے، اس لئے لوح محفوظ سے تو پورا کا پورا قرآن کتابی شکل میں نازل فرما دیا، تاکہ اس کو ''کتاب آسمانی'' کہا جا سکے اور نازل شدہ آیات کو اس کتاب مبین-قرآن مجید-کا حصہ بتلایا جا سکے۔ لہٰذا یہ قرآن مجید اللہ جلت حکمته نے رسول اللہ ﷺ اور امت پر حسبِ مصلحت وضرورت تھوڑا تھوڑا نازل فرمایا، ارشاد ہے:

۱.....'' تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ''. (المؤمن:۲)

ترجمہ:.....''اس کتاب کو تھوڑا تھوڑا اتارا، غالب و برتر، بڑے علم والے اللہ کی جانب سے ہے''۔

۲.....''تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ''. (حم السجدۃ:۲،۳)

ترجمہ:.....''بڑے ہی رحم والے مہربان خدا کی جانب سے جو تھوڑی تھوڑی نازل ہو رہی ہے، وہ ایک کتاب ہے، جس کی آیتیں جدا جدا کی ہوئی ہیں، قرآن ہے عربی (زبان) میں ایسے لوگوں کے لئے جو (عربی زبان کو خوب اچھی طرح) جانتے ہیں''۔

قرآن کی آسمان سے زمین پر سب سے پہلے کون سی آیات نازل ہوئیں اور کس تاریخ کو؟

قرآن کریم کے رسول اللہ ﷺ پر اترنے کے سلسلہ میں لفظ ''تعلیم'' اور ''قراءت'' کی تفصیل قرآن عظیم کی تصریحات کی روشنی میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ دونوں لفظ اور ان سے ماخوذ الفاظ (مشتقات) خصوصاً لفظ ''قراءت'' - پڑھانا - قطعی طور پر ثابت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کو پڑھانے والا اس طرح پڑھاتا ہے، جیسے ایک انسان پڑھاتا ہے اور آپ ﷺ بالکل اس طرح پڑھتے ہیں، جیسے ایک انسان دوسرے انسان سے پڑھتا ہے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام انسانی شکل میں آکر پڑھاتے ہیں۔ اس سلسلہ کی پانچ آیات حسبِ ذیل ہیں:

''اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ''۔ (العلق:۱،۲،۳،۴،۵)

ترجمہ:.....''پڑھو! اپنے رب کے نام سے جس نے (سب کچھ) پیدا کیا ہے۔ انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا ہے۔ پڑھو! اور تمہارا رب سب سے بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے (لکھنا) سکھلایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھلایا جو وہ نہیں جانتا تھا''۔

سورۂ علق کی ان پانچ آیات کے متعلق نہ صرف یہ کہ امت مسلمہ کے ہر خاص و عام، عالم و جاہل کا حد تواتر تک پہنچا ہوا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام سب سے پہلے ''سورۂ اقرأ'' کی (عوام میں یہ سورت اسی نام سے معروف ہے) آیات لے کر آئے ہیں، بلکہ ان آیات میں لفظ ''اِقْـــرَأْ'' اور اس کا تکرار بھی اس پر شاہد ہے کہ قرآن کی پڑھائی کی بسم اللہ (ابتداء) انہی آیات سے ہوئی ہے، چنانچہ امت محمدیہ کے معلمین اور حفاظ آج تک اسی سنت الٰہیہ کے تحت اسی طرح پڑھائی شروع کراتے ہیں: پڑھو: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، پڑھو: الف، با، تا، ثا۔ یاد رکھئے! کسی قوم کی ''قومی روایات''، علم نفسیات کی رو سے قطعی اور دعوے کا ناقابل تردید ثبوت ہوا کرتی ہیں۔

ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل مطابق ۵۷۲ میلادی ۱۲ یا ۸ ماہ ربیع الاول کو مکہ مکرمہ میں ہوئی ہے اور آپ ﷺ کی عمر کے پورے چالیسویں سال آپ ﷺ پر غار حرا سے نکلتے ہوئے سب سے پہلی وحی نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا ۱۲/ یا ۸/ ربیع الاول عام البعثت زمین پر نزولِ قرآن کے آغاز کی تاریخ ہے، اور سورۂ علق کی مذکورہ بالا آیات قرآن کی زمین پر نازل شدہ سب سے پہلی پانچ آیات ہیں، گویا اسی سال ماہ رمضان المبارک کی لیلۃ القدر کو پورا قرآن لوحِ محفوظ سے آسمان پر کتابی شکل میں اترا (جیسا کہ قرآن کی تصریحات کی روشنی میں آپ پڑھ چکے ہیں)

زمین پر پورا قرآن کتنے عرصہ میں اترا؟

اور تقریباً ساڑھے بائیس سال میں رفتہ رفتہ تدریجی طور پر پورا قرآن زمین پر اترا، اس لئے کہ قرآن کریم کی آخری آیت حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰ھ میں حسب ذیل نازل ہوئی، اللہ جلت نعماءہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا''۔ (المائدۃ:۳)

ترجمہ:.....''آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین ہونے کے اعتبار سے پسندیدہ قرار دے دیا''۔

اس آیت کریمہ میں کلمہ ''اَلْیَـــوْمَ'' (آج) قطعی طور پر دن کی تعیین کر رہا ہے اور وہ دن تاریخی اعتبار سے ۱۰/ ذوالحجہ، ۱۰ ہجری ہے اور یہی آیت کریمہ وحی قرآنی کے انقطاع کا اعلان بھی ہے، اس لئے کہ اکمالِ دین اور تتمیمِ نعمت کے بعد اضافہ کا امکان ہی نہیں رہتا، چنانچہ آپ ﷺ اس کے بعد تقریباً ۷۲/ دن بقید حیات رہے، اس عرصہ میں احکام سے متعلق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، تا آنکہ ۱۲/ یا ۱۰/ ربیع الاول ۱۱ ہجری کو عالم فنا سے عالم بقا کی طرف رحلت فرما گئے، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اور ''يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ'' کی دعوت الٰہی پر لبیک فرما کر ''فِيْ عِبَادِيْ'' (ملأ اعلیٰ) اور ''فِيْ جَنَّتِيْ'' میں داخل ہو گئے۔

قرآن اللہ کی ایسی کتاب آسمانی ہے جس میں نہ باطل کسی طرح راہ پا سکتا ہے، نہ ہی کسی شک وشبہ کی اس میں گنجائش ہے۔

قرآن مجید اللہ کی ایسی محکم کتاب ہے کہ اس کتاب کے تغیر وتبدل اور مسخ وتحریف سے ''محفوظ'' ہونے اور ''باطل کے اس میں کسی بھی طرح راہ نہ پا سکنے'' کے متعلق خود اللہ جل جلالہٗ ضمانت دے رہے ہیں، ارشاد ہے:

''وَإِنَّهٗ لَكِتَابٌ عَزِيْزٌ لَّا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ، تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ''۔ (حم السجدۃ:۴۱، ۴۲)

ترجمہ:..... ''اور بے شک وہ قرآن ایک زبردست کتاب ہے، باطل اس کتاب میں نہ اس کے آگے سے راہ پا سکتا ہے، نہ پیچھے سے (اس لئے کہ) وہ ایک بڑی حکمتوں والے لائق ستائش (پروردگار) کی تدریجاً اتاری ہوئی (کتاب) ہے''۔

اس کتاب میں کسی بھی قسم کی کوئی کجی یعنی نقص وعیب نہیں ہے، ہر پہلو سے محکم ہے، ارشاد ہے:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا''۔ (الکہف:۱)

ترجمہ:..... ''سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر کتاب اتاردی، اس میں کسی بھی قسم کی کجی نہیں''۔

اگر یہ کتاب، عزیز وحکیم اللہ کے علاوہ کسی بھی اور کی ہوتی تو اس میں الفاظ، معانی اور مضامین کے اعتبار سے بکثرت اختلاف، تفاوت اور تضاد ضرور پایا جاتا، چنانچہ یہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ بڑے سے بڑے قادر الکلام انسان کا اتنا مبسوط کلام (کتاب) اس نقص وعیب سے کبھی پاک اور مبرا نہیں ہوتا، حتیٰ کہ افصح العرب والعجم اور ''أوتيت جوامع الكلم'' کے مالک نبی عربی ﷺ کے کلام (احادیث) میں اختلاف تو پایا ہی جاتا ہے، جو اگرچہ مصالح شرعیہ پر مبنی ہے، لیکن بہر حال ہے، اس لئے محدثینؒ نے علوم حدیث میں ''علم المختلف والمؤتلف'' ایک مستقل علم مدون کیا ہے، جس میں اختلافِ احادیث کے وجوہ ومحامل بیان کئے ہیں اور اصولِ تطبیق وضع کئے ہیں اور منکرین حدیث تو اسی اختلاف کو تضاد کہہ کر انکار احادیث کے درپے

ہیں۔ بہر حال یہ کتاب الٰہی قرآن مجید اس نقص وعیب سے بالکل پاک اور مبرا ہے، ارشاد ہے:

''أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا''۔ (النساء:۸۲)

ترجمہ:..... ''کیا یہ منکرین قرآن میں غور نہیں کرتے (کہ ان پر اس کا کلام اللہ ہونا واضح ہو) اور اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو وہ اس میں کثرت سے اختلاف اور تفاوت محسوس کرتے''۔

اسی لئے ارشاد ہے:

''الٓمّٓ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ لَارَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ''۔ (الم سجدۃ:۱،۲)

ترجمہ:..... ''الف، لام، میم، اس کتاب کو تدریجاً اتارنا، اس میں مطلق شک وشبہ نہیں کہ رب العالمین کی جانب سے ہے''۔

قرآن عربی زبان میں کیوں اتارا گیا؟

اس کتاب عزیز (قرآن مجید) کی زبان علیم وحکیم پروردگار نے فصیح عربی اس لئے تجویز کی ہے کہ اس کے اولین مخاطب فصحاء وبلغاء عرب ہیں، وہ بآسانی اس کتاب کے انسانی قدرت سے ماوراء ہونے کو سمجھ سکیں گے اور ان کا فیصلہ تمام نوع انسانی کے واسطے حجت اور قابل قبول ہوگا، ارشاد ہے:

''حٰمٓ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ''۔ (الزخرف:۱،۲،۳)

ترجمہ:..... ''حا، میم! قسم ہے فصیح (وبلیغ) کتاب کی، بے شک ہم نے اس کو عربی (زبان کا) قرآن تجویز کیا ہے، تاکہ تم (اے اہل عرب!) اس کو سمجھو (کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے)''۔

قرآن کی مخاطب ومکلّف تمام نوعِ انسانی ہے

اس لئے کہ قرآن صرف عرب کے لئے نہیں، بلکہ پوری نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے اتارا گیا ہے، ارشاد ہے:

۱.....''وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا''۔ (الشوریٰ:۷)

ترجمہ:..... ''اور اسی طرح ہم نے (بطور) وحی بھیجا آپ کے پاس عربی قرآن، تاکہ تم (قہر خداوندی سے باخبر ہو کر) بستیوں کی اصل (مکہ) اور اس کے اردگرد بسنے والی تمام دنیا کے لوگوں کو ڈراؤ''۔

۲.....''الٓرٰ تِلْکَ آیَاتُ الْکِتَابِ الْمُبِیْنِ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ''. (یوسف:۱،۲)

ترجمہ:.....''الف، لام، را، یہ واضح (اور روشن) کتاب کی آیتیں ہیں، بے شک ہم نے اس کو عربی قرآن اتارا ہے، تاکہ تم سمجھ لو''۔

چنانچہ حق پسند زعماء عرب نے صاف اقرار کیا:

''مَاهٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ''۔ یعنی ''یہ انسان کا قول ہرگز نہیں''۔

اور جن معاندین (حق سے عناد رکھنے والے اور جان بوجھ کر انکار کرنے والے لوگوں) نے حق جاننے کے باوجود قرآن کو خدا کا کلام ماننے سے انکار کیا اور کہا:

''إِنْ هٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ''۔ ''نہیں ہے یہ مگر انسان کا قول''۔

اُن کو تفصیلی طور پر ہر ہر اعتراض کا جواب بھی دیا، جس کی تفصیل آپ عنقریب پڑھیں گے اور آخر میں چیلنج کیا جو آج تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا۔ مکی سورت سورۂ یونس میں ارشاد ہے:

''قُلْ فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللهِ إِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ''۔ (یونس:۳۸)

ترجمہ:.....''(اے نبی!) تم کہہ دو: پس تم اس (قرآن) جیسی ایک سورت ہی لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جن (طاغوتی طاقتوں) کو تم (اپنی مدد کے لئے) بلا سکتے ہو بلا لو، اگر تم سچے ہو''۔

قرآن کے عربی زبان میں نازل ہونے کی دوسری وجہ

علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ جن پر قرآن نازل کیا جارہا ہے، وہ بھی عربی النسل ہیں اور عادت الٰہیہ یہ رہی کہ ہر رسول اور اس کی کتاب کی زبان وہی ہوتی ہے جو اس کی قوم کی ہوتی ہے، ارشاد ہے:

''وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ''۔ (ابراہیم:۴)

ترجمہ:.....''ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے وہ اپنی قوم کی ہی زبان والا ہے، تاکہ وہ ان کو (ان کی ہی زبان میں) اچھی طرح اللہ کا پیغام سمجھائے''۔

قرآن مجید کی عظمت اور اس کے مستقل وجودِ خارجی کے دلائل

اللہ جلت حکمتہ نے اپنے اس کلام قرآن مجید میں متعدد سورتوں اور آیتوں میں خود اس قرآن مجید کی قسمیں کھائی ہیں اور قرآن وعلوم قرآن میں بصیرت رکھنے والے اربابِ علم جانتے ہیں کہ

سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ جلت عظمتہ اپنے اس کلام الٰہی میں ہمیشہ اپنے ان عظیم ترین مظاہر قدرت کی قسمیں کھاتے ہیں جو مابعد بیان کئے گئے دعوے کی روشن اور قطعی دلیل ہوتے ہیں، تاکہ ''دعوی الشیٔ مع بیّنة وبرهان '' (دعویٰ مع ثبوت ودلیل) اور ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' کا مصداق ہوجائے اور کسی منکر کو ان مظاہر قدرت کے مشاہدہ اور معائنہ کے بعد آئندہ بیان اور دعوے کے انکار کی گنجائش نہ رہے۔ لہٰذا مذکورۃ الصدر آیات میں قرآن مجید کی قسم، قرآن کے مستقل وجود اور عظیم ترین مظہر قدرت الٰہی ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ چند ایسی آیات ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں، سورۂ ''ص'' میں ارشاد ہے:

۱...... ''صٓ وَالْقُرْآنِ ذِیْ الذِّکْرِ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ''۔ (ص:۱،۲)

ترجمہ:...... ''ص، قسم ہے اس نصیحت (کرنے) والے قرآن کی (یہ بے شک وشبہ برحق ہے) بلکہ انکار کرنے والے حمیت ونخوت اور (اس کی) مخالفت وعداوت میں (گرفتار) ہیں''۔

۲...... ''یٰسٓ وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ إِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ، عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ، تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ''۔ (یٰس:۱،۲،۳،۴،۵)

ترجمہ:...... ''یٰس، قسم ہے اس محکم قرآن کی، بے شک تم بھیجے ہوئے (نبیوں اور رسولوں) میں سے ہو، سیدھے راستہ پر قائم ہو، یہ قرآن حکیم ہی اس کی دلیل ہے، یہ قرآن بڑے زبردست مہربان (خدا) کا نازل کردہ ہے''۔

ان آیات کے علاوہ سورۂ زخرف، سورۂ دخان، سورۂ ق، سورۂ طور کی ابتدائی آیات میں ان قرآن کی قسموں کا ذکر آپ پڑھ چکے ہیں۔ اسی طرح اللہ جلت حکمتہ نے قرآن کریم کے اللہ کا کلام اور آسمانی کتاب ہونے کے ثبوت اور دلیل کے طور پر اپنے اہم ترین مظاہر قدرت کی قسمیں کھائی ہیں، چنانچہ سورۃ التکویر میں ارشاد ہے:

''فَلاَأُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْکُنَّسِ وَاللَّیْلِ إِذَا عَسْعَسَ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ إِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ''۔ (التکویر:۱۵،۱۶،۱۷،۱۸)

ترجمہ:...... ''پس (ایسا) نہیں (جیسا تم سمجھتے اور کہتے ہو) میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے، چلتے رہنے والے، چھپ جانے والے (ستاروں) کی اور رات کی جب وہ چھپ جائے اور صبح کی جب وہ سانس لے (صبح صادق کا وقت نمودار ہو) کہ بے شک یہ (قرآن) ایک معزز فرستادہ (فرشتہ) کا قول ہے (آخر آیت تک جو آپ پڑھ چکے ہیں)''۔

دیکھئے! اس آیت کریمہ میں انسانی دسترس بلکہ قطعی اور یقینی فہم وادراک سے بھی بالاتر نظامِ سیارات اور نظامِ شمسی سے ظہور پذیر ہونے والے صبح وشام اور روز وشب کے نظام کو قرآن کے لوحِ محفوظ سے رسول بشری تک نظامِ ترسیل کے دعوے پر بطور دلیل وبرہان پیش کیا ہے کہ جیسے یہ نظامِ انسانی دسترس بلکہ فہم وادراک سے بالاتر اور اللہ جلت قدرته وحکمته کی تکوینی تدابیر کے تحت چل رہا ہے،

بالکل اسی طرح قرآن کا نظام ترسیل وارسال بھی اسی علیم وحکیم خالق کائنات کی تکوینی تدابیر کے تحت وقوع پذیر ہوتا ہے، نہ تم اس نظام کی حقیقت کو کما حقہ سمجھ سکتے ہو۔ تمہارے ایمان واسلام کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم خالق کائنات کے بیان پر ''آمنا وصدقنا'' کہو، یہی راسخین فی العلم کی شان ہے، ارشاد ہے:

''وَالرَّاسِخُوْنَ فِیْ الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا''۔ (آل عمران:۷)

ترجمہ:.....''اور پختہ ومحکم علم والے کہتے ہیں: ہم تو اس (قرآن) پر ایمان لا چکے، سب ہمارے رب کی جانب سے ہے (چاہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے)''۔

ان آیاتِ قرآنیہ میں تو راسخین فی العلم کا مقتضاء ایمان بیان فرمایا ہے۔ تحریف وتاویل کے درپے ہونے والے زائغین کا طریق کار اس سے بالکل مختلف ہے، ارشاد ہے:

''فَأَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَۃِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِیْلِہٖ وَمَایَعْلَمُ تَأْوِیْلَہٗ إِلَّا اللہ''۔ (آل عمران:۷)

ترجمہ:.....''باقی وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی (اور گمراہی) ہے، پس وہ لوگ تو قرآن کی متشابہ آیات (جن کی مراد کی تعیین انسانی عقل وفہم سے باہر ہے) ہی کے پیچھے پڑتے ہیں، فتنہ (پھیلانے) کی غرض سے اور مراد متعین کرنے کی غرض سے، حالاں کہ ان کی حقیقی اور قطعی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔

قرآن مجید کے مستقل وجود خارجی کی ایک اور دلیل

قرآن کریم میں قرآن کے متعلق تعلیم اور قراءت اور ان کے مشتقات کے علاوہ بکثرت لفظ نزول اور اس سے مشتق (ماخوذ) افعال اور مصادر استعمال ہوئے ہیں۔ اس کلمہ کے مفہوم میں ''اوپر سے نیچے آنے'' کے معنی جوہری طور پر داخل ہیں، جس کو اردو میں ''اترنا'' کہتے ہیں اور عربی میں ''نزول'' کہتے ہیں۔ جو نمایاں فرق اردو میں اترنے اور آنے میں ہے، بعینہٖ وہی فرق عربی میں ''اتیان'' یا ''مجیء'' اور ''نزول'' میں ہے۔ جیسے اردو میں اترنا اور اس سے مشتق افعال ''لازمی'' ہیں، یعنی صرف ایک ذات (فاعل) سے وقوع میں آجاتے ہیں، لیکن اگر کسی اور ذات یا چیز کو اوپر سے نیچے لایا جائے تو اس کے لئے ''اتارنا'' اور اس سے مشتق افعالِ متعدی استعمال ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح عربی میں کسی اور ذات یا چیز کو اوپر سے نیچے اتارا جائے تو اس کے لئے ''إنزال''، ''تنزیل'' اور ان سے مشتق افعال استعمال ہوتے ہیں یا فعل لازم ''نزل'' پر ''بہ'' کا اضافہ کرکے اُسے متعدی بنالیا جاتا ہے اور اس صورت میں اس کے تحقق اور وقوع میں آنے کے لئے اس ذات یا چیز کا مستقل وجود قطعی طور پر ضروری ہوتا ہے جس کو اتارا ہے۔ اب آپ قرآن مجید کے متعلق اس کلمے، افعال، مصادر اور مشتقات کا جائزہ لیجئے، قرآن کے متعلق تنہا ''نزول''، یعنی فعل لازم قطعاً استعمال نہیں ہوا،

بلکہ یا ''بہ'' کے اضافہ کے ساتھ استعمال ہوا ہے، جیسا کہ آپ ''نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الأَمِيْنُ'' سورۃ الشعراء کی آیات میں پڑھ چکے ہیں یا مصدر ''إنزال'' سے مشتق فعل استعمال ہوا ہے، جیسا کہ آپ ''إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ القَدْرِ'' سورۂ لیلۃ القدر میں پڑھ چکے ہیں یا مصدر ''تنزیل'' جیسا کہ آپ سورۃ الشعراء کی آیت میں پڑھ چکے ''وَإِنَّهُ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ العَالَمِيْنَ'' یا اس ''تنزیل'' سے متعلق فعل ''نَزَّلَهُ'' جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ''فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ'' میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ اسی طرح اس اتارنے کے معنی کے متحقق ہونے کے لئے جہتِ فوق ''اوپر'' ہونا چاہئے، جہاں سے اتارا، جیسا کہ آپ سورۂ بروج میں قرآن کے لئے ''فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ'' اور سورۂ زخرف ''وَإِنَّهُ فِيْ أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا'' میں پڑھ چکے۔ اور ایک جہت تحت ''نیچے'' ہونا چاہئے، جہاں اتارا، جیسا کہ آپ قرآن کے متعلق ''عَلٰى قَلْبِكَ'' سورۂ شعراء اور سورۂ بقرہ میں پڑھ چکے، گویا اللہ جل جلالہٗ نے قرآن کے متعلق مذکورہ ذیل سوالات کے جوابات دے دیئے ہیں:

۱.....کس نے اتارا؟ جواب: جبرئیل امین علیہ السلام نے۔

۲.....کیا اتارا؟ جواب: قرآن مجید۔

۳.....کہاں سے اتارا؟ جواب: لوح محفوظ سے، پھر آسمانِ اول سے۔

۴.....کہاں اتارا؟ جواب: رسول اللہ ﷺ کے قلب پر۔

۵.....کس کے حکم سے؟ جواب: اللہ کے حکم سے۔

ان پانچوں حقیقتوں کا مستقل وجودِ خارجی ہے، خصوصاً جبرئیل امین علیہ السلام اور قرآن کہ یہ دونوں تو ایسے قوی عامل اور مؤثر خارجی ہیں کہ ان کے مستقل وجود کا انکار کر دینے کے بعد تو قرآن کے اترنے اور اتارنے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور یہ کہنا کہ ''قرآن مجید پورا کا پورا کلام اللہ بھی ہے اور اسی طرح پورا محمد ﷺ کا کلام ہی ہے''۔ یہ تو استشراقی فکر کے علاوہ اور کوئی بیوقوف سے بیوقوف آدمی بھی بقائمیٔ ہوش وحواس ہرگز نہیں کہہ سکتا۔ مرگی کے دوروں کا ہذیان، درحقیقت اسی قسم کی ہذیانی بکواس کا نام ہے جو ان یہودی اور عیسائی مستشرقین اور ان کے چیلوں کے زبان وقلم سے اسلام دشمنی کی ''مرگی'' کے دورہ میں نکل رہے ہیں۔

☆☆☆